بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سلسلہ دعوت نمبر 17

لَا یَمَسُّہٗۤ اِلَّا الۡمُطَھَّرُوۡنَ

اس کو غیر اللہ سے پاک ذہنوں کے سوا کوئی نہیں سمجھ سکتا

الرِّبٰوا قرآن کی روشنی میں

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الرِّبٰوا اور سود کا فرق: الرِّبٰوا قرآن کی ایک خاص اصطلاح ہے۔ یہ اُس بڑھوتری کو کہتے ہیں جو فقراء کو قرض دے کر اصلذر سے زائد لیا جائے۔ سود اردو کا لفظ ہے اور زیاں اس کا اُلٹ ہے۔ عام طور پر بولا جاتا ہے کہ یہ کام کرنا بے سود ہے۔ لہٰذا سود کے بغیر تو کوئی کام بھی کرنا بے وقوفی ہے۔ لہٰذا الرِّبٰو ا کے معنی سود کر کے ا لرِّبٰوا کے اصطلاحی تصور کو چھپا دیا گیا ہے۔ یہی مشہور ہے کہ سود حرام ہے حالانکہ سود کی حرمت کا ذکر قرآن میں نہیں ہے۔ قرآن الرِّبٰوا کی حرمت کا ذکر کرتا ہے۔ الرِّبٰوا اصطلاح قرآن ہے جو حاجت مند کی ہنگامی ضرورت پوری کرنے کیلئے بطور اُدھار دی جائے جس کا البیع سے کوئی تعلق نہ ہو۔ اس اُدھار سے وہ اپنی ہنگامی ضرورت پوری کرتا ہے وہ البیع نہیں کرتا۔ اُس سے اصل رقم سے زائد لینا یہ ایک مخصوص بڑھوتری ہے۔ جو الرِّبٰوا کہلاتی ہے۔ اب الرِّبٰوا کو سود کہہ کر اُس کی حرمت کا اتنا تذکرہ کیا گیا ہے کہ ہر سود مند کام حرام قرار دیا گیا ہے اور اُمتِ مسلمہ ہر سود مند کام سے متنفر ہے اور بے سودی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہی ہے۔ اس کی مثال قوم کی جیتی جاگتی تصویر ہے کہ قرآن جس سے پورے انسانوں کا سود یعنی فائدہ اور نفع وابستہ ہے یہ خود غیرِ قرآن پر اس طرح گری پڑی ہے کہ اسے اپنی دنیا اور آخرت دونوں کے زیاں کا احساس تک نہیں۔ اس کے زوال کا ہر گوشہ شہادت دے رہا ہے کہ یہ قوم قرآن چھوڑنے کی سزا بھگت رہی ہے۔

الرِّبٰوا: 2/275 : بنیادی سہ حرفی مادہ ر ب ی ہے رَبَا یَرْبُوْا کا معنی ہوتا ہے۔ زیادہ ہونا، بڑھنا، پھلنا اور پھولنا وغیرہ۔ یہ بات ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اللہ مطلق کسی شے کے بڑھنے، زیادہ ہونے، پھلنے اور پھولنے سے منع نہیں کرتا اور نہ ہی اُس کی حرمت کا فتوٰی دیتا ہے۔ قرآن جس بڑھوتری کو حرام قرار دیتا ہے وہ الرِّبٰوا ہے۔ الف لام معرفہ نے اس الرِّبٰو کو خاص کر دیا ہے۔ لہٰذا قرآنی الرِّبٰوا ایک خاص قسم کی بڑھوتری ہے جو اپنی شرائط کے ساتھ موجود ہو۔ جہاں یہ شرائط موجود نہ ہوں وہاں کوئی بھی بڑھوتری ہو الرِّبٰوا کی تعریف سے از خود خارج ہو جاتی ہے اس لئے الرِّبٰوا جو الف لام معرفہ کے ساتھ ایک خاص بڑھوتری ہے وہ حرام ہے۔ الرِّبٰوا کا موضوع 2/275 آیت سے شروع ہوتا ہے اس سے ماقبل آیات میں حاجت مندوں کا تذکرہ ہے۔ لہٰذا سیاق وسباق سے الگ کر کے اس کا کوئی مفہوم یا الرِّبٰوا کی کوئی تعریف (Definition) کرنا اصولاً درست نہیں ہے۔ لہٰذا سیاق وسباق سے جو بڑھوتری الرِّبٰوا کہلاتی ہیں۔ اُسے ہی الرِّبٰوا کہا جائے گا اور باقی بڑھوتریاں الرِّبٰوا کی حدود سے باہر ہوں گی۔ حدود سے باہر والی بڑھوتریوں کو الرِّبٰوا کہنا اللہ کی کتاب میں اپنی رائے، اپنا ذاتی خیال تو ہو سکتا ہے مگر قرآن سے اس کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔ قرآن میں سورۃ البقرۃ آیت نمبر 273 تا 280 آیات میں الرِّبٰوا کا بیان ہے۔ سورۃ البقرۃ کی یہ آیات الرِّبٰوا کو سمجھنے کیلئے کلیدی مقام رکھتی ہیں۔ یہاں الرِّبٰوا کا کلمہ چھ بار استعمال ہوا ہے۔ الرِّبٰوا کی معرفہ حالت کو نکرہ بنا کر ایسا بوجھ اپنے اوپر ڈالنا جو اللہ نے نہیں ڈالا۔ پھر یہ خود ساختہ بوجھ نہ اُٹھانا یہ بنی اسرائیل کی روش ہے۔ کم از کم یہ ہمارے لئے مناسب نہیں۔ الرِّبٰوا کا موضوع 2/275 آیت سے شروع ہوتا ہے اس سے ماقبل 273 آیت کا آغاز لِلْفُقَرَآء سے ہو رہا ہے۔

لٰہذاالرِّبٰوا اُن لوگوں سے لیا جار ہا ہے جو حاجت مند ہیں۔سوال پیدا ہوتا ہے کہ بنک،قومی بچت سکیم، بیمہ پالیسی والے فقراء کی تعریف میں آتے ہیں۔ ہرگزنہیں لٰہذاان اداروں کی صلاحیت سے فائدہ اُٹھاناالرِّبٰوانہیں ہے۔یہ کمرشل ادارے ہیں اورافراد کی بچتوں کوملک وقوم کی ترقی پرصرف کرتے ہیں۔بات بڑی واضح ہے کہ الرِّبٰوا کا مفہوم سیاق وسباق سے ہٹ کرمتعین کرناروشنی کواندھیرے میں بدلنا ہے۔سیاق وسباق کی رُو سے الرِّبٰوا فقراء کواُدھاردے کراُن سے زائد لینا ہے جو اپنی ہنگامی ضرورت کیلئے اُدھار لیتے ہیں اورضرورت پرصرف کردیتے ہیں اوراُس سے کوئی تجارت اور پیداواری کام نہیں لیتے۔اُن سے زائد لیناالرِّبٰوا کہلائے گا۔قرآن میں ہے۔یَمۡحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرۡبِى الصَّدَقٰتِ۔ اللہ الربٰوا کوتو مٹاتا ہےاورالصدقات کو بڑھاتا ہے 2/276۔22/5 میں الارض کے لئے رَبَتۡ آیا ہے۔بارش کی وجہ سے زمین پھلتی پھولتی ہے۔رَبۡوَہ بلنداوراُونچے ٹیلے (23/50) کو کہتے ہیں۔ الرّبٰوا کا موضوع 2/275 سےشروع ہوتا ہے۔اس سے ماقبل 261 تا274انفاق فی سبیل اللہ کی بات ہورہی ہے۔اللہ کے ہاں اُس کا کیا بدلہ ہے۔مثالیں دے کرسمجھایا جارہا ہے۔ایسے صدقات کے مستحق لوگوں کواُدھاردے کراُن سے بڑھوتری لیناحرام قرار پایا ہے۔وہاں بزنس اورتجارت یعنی البیع کی کوئی بات نہیں ہے۔اُن کی ہنگامی طور پر رُکی ہوئی ضرورت پوری کرنی ہے۔اگراس اُدھار پرکوئی زائدلیا گیاتو یہ الرّبٰوا کہلائے گا۔الرّبٰوا قرآن کی اصطلاح ہے۔جوالبیع کے نفع پرلاگونہیں ہوتی کیونکہ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الۡبَيۡعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا اللہ نے البیع کوحلال قراردیا ہےاورالرّبٰوا کوحرام قراردیا ہے 2/275۔کافرکہتے ہیں کہ البیع ، الرِّبٰوا کی طرح ہے۔اللہ نے جب البیع کوحلال کیااورالرِّبٰوا کوحرام قراردیا تواللہ کے ہاں البیع میں لگاہوامال اوراس کانفع حلال ہے اللہ الرِّبٰوا کوبربادکرتا ہےاورالصدقات کو بڑھاتا ہے 2/276 گویا یہ ایساعمل ہے جوصدقات کے مستحق لوگوں سے کرناحرام قرار پایا ہے۔ان سے صرف اصل زرلیا جائے اگرتنگ دست ہوتو مہلت دی جائے اگران کی ضرورت کیلئے ان کوصدقہ ہی کردیا جائے تو بہتر ہے 2/280۔اب بنک،قومی بچت سکیم، بیمہ پالیسی جوکہ کمرشل ادارے ہیں ان کے بارےالرِّبٰوا کا فتوٰی انسان کی ذاتی خواہش تو ہوسکتی ہے۔بہرحال قرآن البیع یعنی کسی کمرشل ادارے میں سرمایہ کاری کرنے سےمنع نہیں کرتا وہاں ایک معائدے کےتحت سرمایہ کاری کرکے فائدہ یعنی نفع لیا جاسکتا ہے کیونکہ یہ باہمی مفاد پرالبیع کا معائدہ ہے۔یہ معائدہ فقراء سے نہیں ہے۔ایک کمرشل ادارے سے ہےجس کواللہ نے حلال قراردیا ہےاسے حرام قراردینا اللہ کے حکم میں مداخلت ہےاوراللہ کے حکم میں شرکت ہے۔سورۃ الکھف آیت نمبر 26 میں اللہ کاایک واضح بیان ہے کہ وہ اپنے حکم میں کسی کوشریک نہیں کرتا۔اتنے واضح بیان کے بعدبھی اگرکوئی ان کمرشل اداروں کوالرِّبٰوا کہتا ہے ۔

بات واضح ہے کہ الرِّبٰوا کامفہوم سیاق وسباق سے ہٹ کرمتعین کرناروشنی کواندھیرے میں بدلنا ہے۔سیاق وسباق کی رُوسے الرِّبٰوا فقراء کےاُدھار پر بڑھوتری لینے کو کہتے ہیں۔لغات القرآن صفحہ نمبر 719 پر ہے۔الرِّبٰوا وہ سود ہے جوقرض پروصول کیا جاتا ہے۔(راءس المال پرزائدلینا)تفسیرالقرآن بالقرآن صفحہ نمبر 231 پر ہے۔ الرِّبٰوا کا لفظی معنی ہے بڑھوتری جوکسی حاجتمند سے روپیوں کےعوض حاصل کی جائے۔غورکریں مذکورہ دونوں حوالوں سے ایک

خاص بڑھوتری کا تصور اجاگر ہو رہا ہے۔ یہ ایک خاص الرِّبٰوا ہے عام الرِّبٰوا نہیں ہے۔ دونوں حوالے قرآنی فہم و بصیرت کا دعویٰ کرنے والوں کے ہیں۔ الرِّبٰوا کو اُدھار پر لی گئی بڑھوتری سے آگے پیچھے نہیں کیا جو کہ حاجت مند سے مشروط ہے۔ مگر جب خود مفسر بنے اور اللہ کے بیان میں اپنی ذاتی رائے داخل کی جس کی ضرورت نہ تھی کیونکہ اللہ نے الرِّبٰوا کی سیاق و سباق میں تفصیل کر دی ہے۔ یہ انسان کی ذاتی رائے کا کمال ہے کہ ہر قسم کی بڑھوتری حرام قرار پا گئی ہے۔ لغات القرآن (غلام احمد پرویز) صفحہ نمبر 231 پر لکھتے ہیں اگر تجارت میں کوئی شخص اپنی محنت سے زائد منافع وصول کرتا ہے تو وہ الرِّبٰوا ہے۔ ظاہر ہے کہ محنت کا پیمانہ تو غیر ہنر مند مزدور ہی قرار پائے گا۔ اُس کے پاس کیونکہ سرمایہ نہیں صرف محنت اور مزدوری ہے لہٰذا اب اس مزدور سے جو آدمی زیادہ کمائے گا یہ زائد رقم الرِّبٰوا کہلائے گی۔ اب الرِّبٰوا سے کون بچ پائے گا کیونکہ اصول خود ساختہ یہ ہے کہ محنت کا معاوضہ لینا حلال ہے سرمایہ پر لینا حرام ہے۔ موصوف کا تجارت اور مزدوری کی محنت میں کوئی فرق نہ کرنا بھی عجیب فارمولہ ہے۔

اب قارئین کی توجہ سرمایہ پر بھی ہونی چاہیے کہ سرمایہ کیا ہوتا ہے۔ کوئی بھی جائداد کسی بھی شکل میں ہو اس وقت سرمایہ بنتی ہے جب وہ فاضل قدر یا منافع پیدا کرنے کیلئے استعمال کی جائے۔ انسانی صلاحیت فاضل قوت یا منافع پیدا کرنے کی بنیادی اکائی ہے۔ پروفیسر، تاجر، وکیل، ڈاکٹر، انجینئر وغیرہ اپنی زائد صلاحیتوں کے بل بوتے پر دوسروں سے زیادہ کماتے ہیں۔ محنت مزدوری کا پیمانہ اوقات کار ہے۔ دن میں آٹھ گھنٹے کام کرنے کا معاوضہ جو طے ہو گا اس سے زائد لینے والا الرِّبٰوا کے جرم کا مرتکب قرار پائے گا۔ اوقات کار میں جب تفریق نہیں تو ایک مزدور سے لے کر وزیر اعظم تک کی تنخواہ برابر ہو گی اور تاجر بھی اوقاتِ کار کے مطابق ایک مزدور کے برابر کمائیں گے۔ یہ خود ساختہ الرِّبٰوا کا اصول بنانے والے خود اس پر عمل نہیں کرتے اور نہ ہو سکتا ہے۔ کیونکہ تجارت اور مزدوری کبھی بھی برابر نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا دوسروں کے گلے میں پھندا ڈال کر اُن کی زندگی کو مشکل میں ڈال دیا ہے۔ بنیادی طور پر الرِّبٰوا کے مسئلے کو خود ساختہ اصول کے تابع کرنا بہت بڑی غلطی ہے۔ قرآن صرف حاجتمند جو اپنی ہنگامی ضرورت پوری کرنے کیلئے اُدھار لیتا ہے جس میں البیع شامل نہیں ہے۔ اُس سے زائد لینے سے منع کیا ہے۔ ایسے اُدھار پر زائد لینا الرِّبٰوا کہلاتا ہے۔ 2/280 آیت میں ایسے تنگ دست اُدھار لینے والے سے رعایت کرنے کی ہدایت کی ہے کہ اُسے آسانی تک مہلت دی جائے۔ اگر صدقہ کر دیا جائے تو یہ بہتر ہے۔ کسی کو تجارت کیلئے اُدھار دینا اور اُس پر زائد لینے کا معائدہ البیع کہلاتا ہے۔ اس طرح بینک، بیمہ پالیسی، قومی بچت سکیم اور مزید کمرشل ادارے البیع کی فہرست میں شامل ہیں۔ ان اداروں کو الرِّبٰوا کی فہرست میں شامل کرنا قرآنی آیات میں غلط فہمی کا نتیجہ ہے کیونکہ قرآن البیع اور الرِّبٰوا کو الگ الگ کر رہا ہے۔ لہٰذا الرِّبٰوا کے خوف سے اپنی بچتوں کو ان اداروں میں جمع کرانے سے گریز کرنا قومی اور انفرادی نقصان ہے کہ اپنی بچت کے فائدے سے فرد بھی محروم ہوتا ہے۔ یہ ادارے لوگوں کی بچتوں کو اپنے ٹھیکو کریٹس، تاجروں، صنعت کاروں کے ذریعے منافع بخش کاروبار میں لگاتے ہیں۔ ملک کی ترقی اور خوشحالی کے پروگراموں میں لگاتے ہیں۔ یہ ادارے قومی خاشحالی میں ریڑھ کی ہڈی ہیں۔ ان اداروں کے بغیر ملک کی

صنعت وتجارت کا تصور ہی باطل ہو گیا ہے۔سٹیٹ ان اداروں کی پشت بانی کرتی ہے۔سٹیٹ بنک کی اجازت سے یہ ادارے بنتے ہیں کیونکہ وہ ان اداروں کا سرپرستِ اعلیٰ ہوتا ہے۔سٹیٹ بنک کا دیوالیہ ہو جائے تو سٹیٹ کی معاشی حالت تباہ ہو جاتی ہے۔اسلامی ریاست میں بھی یہ ادارے لازمی ہوں گے ان اداروں کو ختم نہیں کیا جا سکتا کیونکہ بیرونِ ملک درآمد اور برآمد بغیر بینک کی ضمانت کے L/C قابلِ قبول نہیں۔قومی بچت کیلئے ادارہ، بینک یعنی بیت المال بنانا پڑے گا۔ بغیر انشورنش کے مال شپ نہیں ہوگا لہٰذا انشورنش کمپنی کا قیام بھی اسلامی ریاست میں ایک ادارے کی صورت میں لازمی ہے۔یہ ادارے موجودہ دور میں کاروباری دنیا کے ستون ہیں۔ان کی کمرشل حیثیت مسلمہ ہے جسے چیلنج نہیں کیا جا سکتا۔ الرِّبٰوا کہہ کر جان نہیں چھڑائی جا سکتی۔ان اداروں کو الرِّبٰوا سے منسلک کرنے والوں سے نہایت مؤدبانہ گزارش ہے کہ وہ سمجھنے کی کوشش کریں۔ضد اور ہٹ دھرمی اندھیروں کی جنم بھومی ہے۔ان اداروں کو اور ان کی بنی ہوئی کرنسی کو اپنے مفاد کیلئے استعمال کرنا اور پھر ان اداروں کی مخالفت کرنا۔یہ قول وفعل کا واضح تضاد ہے۔یہ دوہرا معیار مومن بالقرآن کے شایانِ شان نہیں۔ہم اس مسئلے پر ازسرِ نو غور کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔یہ قرآن کی آیات کا غلط مفہوم لینے کی وجہ سے ہوا ہے۔آیئے سورۃ البقرۃ کی 273 تا 280 آیات کا ترجمہ ملاحظہ فرمایئے کہ اللہ الرّبٰوا کے بارے کیا فرما رہے ہیں۔

لِلۡفُقَرَآءِ الَّذِیۡنَ اُحۡصِرُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ لَا یَسۡتَطِیۡعُوۡنَ ضَرۡبًا فِی الۡاَرۡضِ ۫ یَحۡسَبُہُمُ الۡجَاہِلُ اَغۡنِیَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ تَعۡرِفُہُمۡ بِسِیۡمٰہُمۡ ۚ لَا یَسۡـَٔلُوۡنَ النَّاسَ اِلۡحَافًا ؕ وَمَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ خَیۡرٍ فَاِنَّ اللّٰہَ بِہٖ عَلِیۡمٌ ﴿۲۷۳﴾ الربع اَلَّذِیۡنَ یُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَہُمۡ بِالَّیۡلِ وَ النَّہَارِ سِرًّا وَّعَلَانِیَۃً فَلَہُمۡ اَجۡرُہُمۡ عِنۡدَ رَبِّہِمۡ ۚ وَلَا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ وَلَا ہُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ ﴿۲۷۴﴾ ترجمہ: اُن فقراء کے لیے صدقات ضروری ہیں جو تعلیمِ قرآن کے لیے اللہ کی راہ میں روکے گئے اور وہ زمین پر سفر کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے۔ جاہل لوگ ان کو قناعت پسندی کی وجہ سے دولت مند سمجھتے ہیں۔تُو اِن کو اِن کے حالات سے پہچان لے گا۔وہ لوگوں سے لپٹ لپٹ کر نہیں مانگتے اور جو بھی تم قرآن کے مطابق خرچ کرو گے پھر یقیناً اللہ اس کے بارے علم رکھنے والا ہے۔273 جو لوگ اپنے اموال رات اور دن میں چھپ کر اور اعلانیہ خرچ کرتے ہیں پس اُن کے لیے اُن کے رب کیہاں اُن کا بدلہ ہے اور نہ اُن پر کوئی خوف ہے اور نہ ہی وہ غم زدہ ہوں گے۔274

اَلَّذِیۡنَ یَاۡکُلُوۡنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوۡمُوۡنَ اِلَّا کَمَا یَقُوۡمُ الَّذِیۡ یَتَخَبَّطُہُ الشَّیۡطٰنُ مِنَ الۡمَسِّ ؕ ذٰلِکَ بِاَنَّہُمۡ قَالُوۡۤا اِنَّمَا الۡبَیۡعُ مِثۡلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰہُ الۡبَیۡعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ فَمَنۡ جَآءَہٗ مَوۡعِظَۃٌ مِّنۡ رَّبِّہٖ فَانۡتَہٰی فَلَہٗ مَا سَلَفَ ؕ وَاَمۡرُہٗۤ اِلَی اللّٰہِ ؕ وَمَنۡ عَادَ فَاُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ النَّارِ ۚ ہُمۡ فِیۡہَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۲۷۵﴾ ترجمہ: جو لوگ الرّبٰوا کھاتے ہیں وہ ترقی یافتہ قوم نہیں بن سکتے مگر وہ ایسی قوم بنیں گے جن کو شیطان غیر قرآنی تعلیم دے کر بے بصیرت کر دیتا ہے۔غیر قرآنی تعلیم کی وجہ سے وہ کہتے ہیں۔یقیناً البیع بھی الرّبٰوا کی مثل ہے حالانکہ اللہ نے تو البیع حلال کی ہے اور الرّبٰوا کو حرام کیا ہے پس جس کے پاس اُس کے رب کی طرف سے نصیحت پہنچ گئی پھر وہ رُک گیا پھر جو ماضی میں لے چکا وہ اُسی کا ہے اور اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے اور جو پھر الرّبٰوا لینے لگے پس یہی لوگ آگ والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔275

يَمۡحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَ يُرۡبِى الصَّدَقٰتِ ؕ وَ اللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيۡمٍ ۝276 اِنَّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمۡ اَجۡرُهُمۡ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ‌ۚ وَلَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ ۝277 يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوۡا مَا بَقِىَ مِنَ الرِّبٰٓوا اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ۝278 فَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلُوۡا فَاۡذَنُوۡا بِحَرۡبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ‌ۚ وَاِنۡ تُبۡتُمۡ فَلَـكُمۡ رُءُوۡسُ اَمۡوَالِكُمۡ‌ۚ لَا تَظۡلِمُوۡنَ وَلَا تُظۡلَمُوۡنَ ۝279 وَاِنۡ كَانَ ذُوۡ عُسۡرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيۡسَرَةٍ ‌ؕ وَاَنۡ تَصَدَّقُوۡا خَيۡرٌ لَّـكُمۡ‌ اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ‏ ۝280 ترجمہ: اللہ الرّبوا کومٹاتا ہے اور الصدقات کو بڑھاتا ہے یقیناً اللہ ہر قرآن کے انکاری گناہ گار کو پسند نہیں کرتا۔ 276 یقیناً جو لوگ ایمان لاتے اور صلاحیت بخش کام کرتے ہیں یعنی وحی شدہ فرض منصبی کو قائم کرتے اور معاشرے کا تزکیہ نفس قرآن حکیم سے کرتے ہیں اُن کے لیے اُن کا اجر اُن کے رب کے پاس ہے۔ یقیناً اُن پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غم زدہ ہونگے۔ 277 اے ایمان والو! اللہ کی نافرمانی سے بچو اور چھوڑ دو جو الرّبوٰ میں سے باقی رہ گیا اگر تم قرآن کو ماننے والے ہو۔ 278 پس اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ کی طرف سے اُس کا پیغام پہنچانے والے کے ذریعے جنگ کا اعلان سمجھو اور اگر تم توبہ کرو تو تمہارے لیے تمہارے مالوں کا اصل زر جائز ہے۔ نہ تو تم نقصان پہنچاؤ اور نہ تم کو نقصان پہنچایا جائے۔ 279 اگر اُدھار لینے والا تنگ دست ہو تو پھر فراخی تک مہلت دینا اور صدقہ کر دینا تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔ 280 سورۃ البقرۃ کی مذکورہ آیات میں الرِّبٰوا اپنے سیاق وسباق کے ساتھ اللہ نے مفصّل بیان کر دیا ہے۔ اس سیاق و سباق کو نظر انداز کر کے الرِّبٰوا کا کوئی من چاہا مفہوم پیش کرنا اللہ کی بیان کردہ تاویل وتفصیل سے انکار ہے۔ مذکورہ آیات پر غور کرنے سے مندرجہ ذیل نقاط سامنے آتے ہیں۔

☆ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ قَالُوۡۤا اِنَّمَا الۡبَيۡعُ مِثۡلُ الرِّبٰوا‌ ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الۡبَيۡعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا۔ ترجمہ: غیر قرآنی تعلیم کی وجہ سے وہ کہتے ہیں۔ یقیناً البیع بھی الرّبوٰ کی مثل ہے حالانکہ اللہ نے تو البیع حلال کی ہے اور الرّبوٰ کو حرام کیا ہے 2/275 آیت واضح درس دے رہی ہے کہ البیع اور الرِّبٰوا ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے اس مسئلے پر غور وفکر کرنے کیلئے یاد رکھیں دونوں عوضین کا برابر ہونا جبکہ کسی فریق کو نفع نہ ہو البیع کی تعریف میں نہیں آتا۔ لہٰذا عوضین کی برابری صرف کسی کی مدد کیلئے ہوتی ہے۔ کسی کی مدد کیلئے اُدھار دینا جس سے اُدھار لینے والا البیع نہیں کرتا اُس پر زائد لینا الرِّبٰوا کہلاتا ہے۔ قرآن کا اصول ہے لَا تَظۡلِمُوۡنَ وَلَا تُظۡلَمُوۡنَ : نہ تو تم نقصان پہنچاؤ اور نہ تم کو نقصان پہنچایا جائے۔ 279 اگر اصل زر فریق ثانی کے پاس بڑھتا ہے تو فریق اول پر ظلم ہے کیونکہ وہ نفع میں شریک نہیں۔ اگر فریق ثانی ضرورت پر خرچ کرے اور فریق اوّل زائد لے تو یہ الرِّبٰوا ہے۔ اس اصول کے پیشِ نظر غیر پیداواری مد میں دیئے گئے ادھار زائد لینا الرِّبٰوا کہلائے گا۔ باقی تمام صورتیں البیع ہوں گی۔ صدقات کے مستحق لوگوں کو ادھار دے کر زائد لینا الرِّبٰوا ہے، جو معاشرے کی تباہی ہے۔ اس الرِّبٰوا کو اللہ ختم کرتا ہے البیع میں لگائی گئی رقم سرمایہ کاری ہے۔ ادھار کی یہ اصطلاح ہی نہیں۔ یہ البیع ہے اور نفع میں شرکت مشترکہ ہے۔ معاشرے میں ترقی اور کاروبار میں بے بہا اضافہ بھی مشاہداتی دلیل ہے لہٰذا جو ادارے کمرشل بنیادوں پر ادھار دیتے ہیں، یہ ادارے الرِّبٰوا کی تعریف میں نہیں آتے۔ سرمایہ کاری حلال اور سرمایہ داری حرام ہے۔ اس پر چند سوال ہیں۔ کیا بیع اپنے سرمایہ سے ہر آدمی خود ہی کرے گا ؟

کیا وہ دوسرا آدمی نوکر رکھے گا یا وہ اُسے البیع میں حصّہ دار بنا کر کام لے گا؟ کیا دوسرا فرد صرف سرمایہ کی بنیاد پر البیع میں شریکِ نفع ہوسکتا ہے؟ ان سوالوں کی مشاہداتی دلیل یہی ہے کہ البیع میں اکیلا آدمی کافی نہیں دوسرا آدمی نوکر ہو یا حصّہ دار ضرور رکھنا پڑتا ہے۔ کاروبار، ورکشاپیں اور کارخانے اس کی واضح مثالیں ہیں۔ البیع میں کوئی نوکر ہو یا سرمایہ کاری کی شراکت، شرائط طے کر کے فائدہ لیا جا سکتا ہے۔ دونوں پارٹیوں کی رضا مندی سے البیع میں سرمایہ کاری کی بنیاد پر کسی کاروبار کرنے والے سے جو معائدہ طے ہو جائے اُسے البیع کہا جائے گا۔ اس طرح سرمایہ کار کو جو نفع حاصل ہوگا وہ الرّبٰوا نہیں البیع کہلائے گا۔ الرّبٰوا جس کو اللہ نے منع کیا ہے یقیناً وہ البیع سے الگ ہے جس کا البیع سے واسطہ نہیں ہے۔ معائدے کی شرائط نفع ہو یا نفع ونقصان میں شراکت ہو اسے البیع ہی کہیں گے۔ الرّبٰوا ایسے راس المال پر زائد لینا ہے جس کا البیع سے کوئی تعلق نہ ہو۔ لہٰذا بہت واضح بات ہے کہ جہاں البیع ہے وہاں الرّبٰوا نہیں۔ جہاں الرّبٰوا وہاں البیع نہیں۔ بات واضح ہے کہ ''**ایسا اُدھار جو کسی ضرورت مند کی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے ہو جو البیع کی مد میں نہ ہو۔ اُدھار لینے والے کا اس اُدھار سے پیداوار کرنا اور نفع کمانا مقصد نہ ہو۔ ایسے ضرورت مند سے جو صدقات کا مستحق ہو اُسے اُدھار دے کر اصل زر سے زائد وصول کرنا الرّبٰوا کہلاتا ہے**''۔ ایسے مواقع تو صدقات دینے کے ہوتے ہیں۔ ان لوگوں سے البیع بھی ہوسکتی ہے بشرطِ کہ یہ لوگ ہنر مند ہیں تجارت یا کاروبار میں مہارت رکھتے ہیں۔ اس کی مثال یوں سمجھ میں آسکتی ہے کہ اگر کوئی دوکاندار یہ اشتہار لکھ کر لگا دے کہ ضرورت مندوں کیلئے یہاں سے ادھار چیزیں بغیر نفع کے مل سکتی ہیں۔ سوچئے یہ دوکاندار کتنے دن کاروبار کرسکتا ہے۔ دوکاندار ضرورت منداور محتاج کو چیزیں نفع پر ہی فروخت کرتا ہے۔ ضرورت مند کا ضرورت کو پورا کرنے کے لئے اُدھار لینا اور ضرورت مند کا البیع کیلئے اُدھار لینا دونوں الگ الگ مسئلے ہیں۔ دونوں کو ایک نہ کریں اللہ کی کتاب کا یہی فیصلہ ہے۔ الرّبٰوا اور البیع الگ الگ ہیں۔ البیع میں اصل زر کاروبار میں لگتا ہے۔ نفع حاصل کرتا اور پیداوار دیتا ہے۔ ایسا بار بار ہوتا ہے۔ البیع میں اُدھار دینے والا نفع میں شریک ہوتا ہے۔ جب کہ ضرورت پر خرچ ہونے والا اُدھار نفع نہیں کماتا اور ضرورت مند کو مزید اپنی جیب میں سے فالتو رقم دینی پڑتی ہے۔ لہٰذا سرمایہ کاری پر نفع حلال اور یہ البیع ہے۔ حاجت مند کی ضرورت پوری کرنے کیلئے جو غیر پیداواری مد میں اُدھار دیا ہو ایسے اُدھار پر اصل زر سے زائد لینا الرّبٰوا کہلاتا ہے۔ الرّبٰوا کو الصّدقات کی ضد میں لاکر یہ ثابت کیا جا رہا ہے کہ الرّبوا صدقات کے مستحق لوگوں سے لیا جا رہا ہے۔ یہ یکطرفہ مفاد ہوتا ہے۔ کیونکہ صدقات کے مستحق لوگ اس اُدھار کو ایسی ضرورت پر صرف کر لیتے ہیں جس میں کوئی پیداوار نہیں ہوتی اور انہیں اس اُدھار پر جو زائد دینا پڑتا ہے وہ یک طرفہ فائدہ ہوتا ہے۔ اُدھار لینے والے کی رقم میں تو ایک روپے کا بھی اضافہ نہیں ہوتا مگر اُدھار دینے والے کی رقم میں یک طرفہ اضافہ ہو رہا ہے۔ یہی وہ لامِ تعریف والا الربٰوا ہے جو ضرورت مند کو کسی غیر پیداواری مد میں اُدھار دیا گیا تھا۔ ایسے اُدھار پر زائد لینا قرآن کی اصطلاح میں الرّبٰوا کہلائے گا۔ اس سے اللہ نے منع کیا ہے۔ ایسا اُدھار جس میں باہمی مفاد ہو پیداواری مد میں ہو البیع کہلائے گا۔ اسے اللہ نے جائز قرار دیا ہے۔

کیونکہ اُدھار لینے والا نفع کمار ہا ہے لہٰذا اس نفع میں اُدھار دینے والے کا سرمایہ ایک قوت ہے اس لئے اس نفع میں اُس کا حق ہے۔ اگر اُدھار لینے والے کا تو دُگنا ہو رہا ہے۔ اور دینے والے کو اصل زرہی ملے گا تو یہ بھی ظلم ہوگا۔ البیع میں باہمی فائدہ ہوتا ہے۔ اس لئے اللہ نے اسے حلال قرار دیا ہے۔ البیع کیلئے دیئے گئے اُدھار پر زائد لینا حلال اور ضرورت مند کی غیر پیداواری مد میں اُدھار دے کر زائد لینا الرّبٰوا ہے جو اللہ نے حرام قرار دیا ہے۔ البیع اور الرّبٰوا میں اتنے واضح فرق کے باوجود بھی جو لوگ البیع اور الرّبٰوا کو ایک جیسا سمجھتے ہوں، ہٰذا شیءٌ عجیب۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے مفاد کے پیشِ نظر الرّبٰوا کو بھی البیع کی مثل کہتے ہیں۔ اللہ کے ہاں اُن کا قول غلط ہے۔ جب صورتِ حال یہ ہو جائے کہ البیع اور الرّبٰوا میں امتیاز نہ رہے۔ ہر قسم کا نفع حرام ہو جائے تو کوئی نظام ترتیب دینا ہی مشکل ہو جائے گا۔ ہمیشہ غلط فہمی کی وجہ سے ایسا ہوتا ہے۔ اب اس کا ازالہ ہونا چاہیے۔ اگر یہ کوئی سازش ہے تو ہمیں اس سازش کا شکار نہیں ہونا چاہیے۔

☆ 2/276 آیت میں الــرِّبٰــوا کے مقابلے میں صدقات کا آنا بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ یہاں صدقات انفرادی طور پر حاجت مند کو دیئے جا رہے ہیں، مرکز کی طرف سے نہیں۔ فرد دوسرے فرد کو دے رہا ہے۔ یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ مرکز موجود نہیں۔ یٰاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوا کا خطاب اور اللہ اور رسول سے جنگ کا تصور مرکز کے موجود ہونے کی دلیل ہے۔

اسلامی ریاست یا معاشرے کے قیام سے پہلے بطورِ تحریک ایک مرکز کا قیام ضروری ہے۔ اس دور میں فرد اخوت اور بھائی چارے کی فضا میں رضا کارانہ طور پر اپنے جان و مال کو قرآنی نظام کے قیام کی جدوجہد میں صرف کرے گا۔ اس لئے دورانِ تحریک قرآنی نظام کے قیام کیلئے جس سطح پر بھی کسی کا تعاون ہو غیر مشروط طور پر حالات کے پیشِ نظر ٹھکرایا نہ جائے کیونکہ مخصوص حالات میں تعاون کی پیشکش قرآنی پروگرام سے اتفاق کی دلیل ہے مگر ذمہ داریاں صرف اُنہیں ہی دیں جائیں گیں جو قرآن کی آیات کھل کر پیش کرنے کا جگرہ رکھتے ہوں۔ اُن کے قول وفعل میں تضاد نہ ہو۔ مصلحت کے تحت قرآن کی تعلیمات چھپانے والا نہ ہو۔

قرآن کی مفصّل حیثیت کو چیلنج نہ کرے۔ قرآن کو غیر اللہ کے تابع نہ کرے۔ یہ تحریک کا دور ہے جس میں ایک فرد کو دوسرے فرد کی مدد کرنی پڑتی ہے۔ قرآنی حکومت کے قیام کے بعد تو بنیادی ضروریاتِ زندگی کی کفالت سٹیٹ کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ لہٰذا 9/103 آیت میں واضح حکم ہے کہ رسول یعنی اسلامی ریاست کا مرکز مومنوں سے اُن کے مال میں سے صدقات لے اور ان صدقات سے معاشرے کی طہارت اور تزکیہ (فلاح) کا بندوبست کرے۔ 2/276 آیت میں صدقے کا ذکر سٹیٹ کے قیام سے پہلے تحریک وتبلیغ کا دور ہے۔ اس دور میں بھی الـرِّبٰوا کا عمل مرکز سے جنگ کرنا ہے۔ اللہ اس عمل سے منع کر رہا ہے۔ الـرِّبٰوا کا عمل کرنے والا شخص قرآنی تحریک یعنی مسلمانوں سے الگ دوسرے گروہ کا رکن ہوتا ہے۔ چہ جائیکہ ایسے افراد کے ہاتھ میں اُمتِ مسلمہ کی لیڈرشپ دے دی جائے۔ ہوا میں گھلے ہوئے زہر کا مسئلہ نہیں ہے جس سے بچا نہیں جا سکتا۔ الـرِّبٰوا میں ملوث ہونے کی قرآن میں رتی بھر بھی گنجائش نہیں ہے یہ کھلم کھلی مرکزِ رسالت سے جنگ ہے اس میں مجبوری کا کوئی استثناء نہیں ہے۔ اس لئے گزارش ہے کہ الرِّبٰوا کے موضوع کو آیات کے سیاق وسباق میں رکھ کر

سمجھا جائے۔ظاہر ہے جب محدود کو لا محدود کرو گے، خاص کو عام کرو گے، اللہ کی حدود سے تجاوز کر کے انسانوں کے خود ساختہ ضابطے کو سند بناؤ گے۔ پھر اس روایتی الرِّبٰوا سے کوئی فرد بھی نہیں بچ سکے گا۔

جب پورا معاشرہ ہی الرِّبٰوا میں لت پت ہے تو بتائیں اللہ اور رسول سے جنگ کرنے والوں کا قرآنی مرکز بنانا چہ معنی دارد؟ اس لئے یہ لحہ فکریہ ہے کہ اللہ یَمۡحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَ یُرۡبِی الصَّدَقٰتِ فرماتے ہیں۔الرِّبٰوا کو صدقات کی ضد میں لا کر یہ درس دیا جا رہا ہے کہ صدقات کے مستحق افراد کو اُدھار دے کر اُن سے زائد نہ لیا جائے۔صدقات کی بڑھوتری کیلئے الرِّبٰوا ہی کا بنیادی مادہ استعمال کر کے یُرۡبِی الصَّدَقٰتِ کہا جا رہا ہے تو غور کریں اللہ ہدایت دینا چاہتے ہیں کہ لامِ تعریف سے مراد خاص الرِّبٰوا ہے جو صدقات کے مستحق لوگوں سے لیا جاتا ہے۔اب اُن سے اصل زر لے سکتے ہیں۔ زائد نہیں لیا جائے گا کیونکہ یہ الرِّبٰوا ہے۔

☆ الرِّبٰوا سے مراد فقراء کو اُدھار دے کر زائد لینا ہے۔اس کی نشان دہی بڑے واضح الفاظ میں 2/280 آیت کر رہی ہے۔اُدھار لینے والے کو میسرہ تک مہلت دو۔

☆ حاجتمند کو اُدھار دینے کا تصور اسلامی ریاست کے قیام سے پہلے کا دور ہے۔اسلامی ریاست میں حاجت مند کی ضرورت کو پورا کرنا اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے۔

☆ اسلامی ریاست کے قیام سے پہلے بھی دعوت و تبلیغ کا مرکز موجود ہے۔اس لئے صدقات کے مستحق لوگوں سے الرِّبٰوا لینے والوں کے خلاف مرکز کا اعلانِ جنگ ہے۔

قرآن میں الرِّبٰوا کا کلمہ نو (9) بار دوہرایا گیا ہے۔آٹھ بار یہ لامِ تعریف سے آیا ہے۔صرف ایک بار 30/39 آیت میں مِنۡ رِّبًا نکرہ تنوین کے ساتھ آیا ہے۔رِّبًا سے مِنۡ حرف کا الرِّبٰوا کے لامِ تعریف کو حذف کیا گیا ہے اور لکھ دیا گیا ہے۔اصل میں یہ الرِّبٰوا ہی ہے۔یہاں بھی 30/39 سے پہلے ضرورت مندوں کا تذکرہ ہے۔آیت ملاحظہ فرمایئے۔

فَاٰتِ ذَا الۡقُرۡبٰی حَقَّهٗ وَالۡمِسۡکِیۡنَ وَ ابۡنَ السَّبِیۡلِ ؕ ذٰلِکَ خَیۡرٌ لِّلَّذِیۡنَ یُرِیۡدُوۡنَ وَجۡهَ اللّٰهِ ۫ وَاُولٰٓئِکَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ﴿۳۸﴾ وَمَاۤ اٰتَیۡتُمۡ مِّنۡ رِّبًا لِّیَرۡبُوَا۠ فِیۡۤ اَمۡوَالِ النَّاسِ فَلَا یَرۡبُوۡا عِنۡدَ اللّٰهِ ۚ وَمَاۤ اٰتَیۡتُمۡ مِّنۡ زَکٰوةٍ تُرِیۡدُوۡنَ وَجۡهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الۡمُضۡعِفُوۡنَ ۝ پس قرابت والوں اور مسکینوں اور اللہ کی راہ میں نکلنے والے کو بھی اُن کا حق دے دو۔یہ عمل اُن لوگوں کے لئے بہتر ہے جو اللہ کی خوشنودی چاہتے ہوں۔یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔38 اور مذکورہ ضرورت مندوں کو جو تم بڑھوتری (2/275) کی نیت سے دیتے ہو تا کہ لوگوں کے مال کے مقابلے میں وہی بڑھتا رہے پس یہ الربٰوا ہے وہ اللہ کے ہاں نہیں بڑھتا۔ جو تم زکوۃ کی نیت سے دیتے ہو تو تم اللہ کی خوشنودی چاہتے ہو۔یہی لوگ اللہ کے ہاں ترقی کرنے والے ہیں۔30/39

آیت نمبر 39 میں فی کا معنی مقابلہ کیا ہے۔سورۃ البقرۃ میں تو اُدھار لینے والے کو الیٰ میسرۃ مہلت دینی ہے۔اُسے صدقہ تک کر دینے کے لئے کہا ہے۔یہ اُدھار لینے والا ایسا نہیں ہے جس کے پاس پہلے مال موجود ہے۔اگر پہلے مال موجود ہے تو ضرورت مند کی تعریف کیا کریں گے؟ اس حرفِ فی میں بڑا اہم نقطہ ہے۔جس کا عام معنی 'میں' کیا جاتا ہے۔

اور آیت کا معنی لوگوں کے مال میں مال شامل کرنا بن جاتا ہے۔اس میں اُلجھن یہ ہے جس کے پاس پہلے ہی مال موجود ہے پھراُس کی حاجت اور ضرورت کا معیار کیا ہے۔ایسی بات نہیں ہے بلکہ یہ ضرورت مند ہے اور اُدھار ضرورت پر صرف ہو جائے گا اور اُدھار لینے والا مزید اپنی جیب سے دے گا۔اُدھار لینے والے کا تو ایک روپیہ بھی نہیں بڑھا اور اُدھار دینے والے کا یک طرفہ بڑھ رہا ہے۔یہاں اس یک طرفہ بڑھوتری کو الرِّبٰوا کہا گیا ہے۔

قُلِ الْعَفْوَ کیا ہے: 2/219 آیت میں قُلِ الْعَفْوَ کے معنی کئے جاتے ہیں زائد از ضرورت دے دو۔قرآن زائد از ضرورت کی کوئی حد مقرر نہیں کرتا۔سوال تو یہ ہے کہ کس مقصد کے لئے خرچ کرنا ہے جواب ہے کہ لوگوں کی عافیت کے لئے خرچ کرنا ہے جیسا کہ 2/215 میں خرچ کرنے کا مقصد خیر بتایا تھا اور والدین، اقربا، مسکین اور ابنِ سبیل پر خرچ کرنا بتایا تھا۔2/219 میں قُلِ الْعَفْوَ کہہ کر انفاق کا مقصد بتایا جا رہا ہے کہ یہ انسانوں کی عافیت کے لئے ینفقون ہو گا۔اللہ کی ذات عفوًا غفورًا ہے۔وہ عافیت اور مغفرت والی چیزیں پیدا کرنے والا ہے۔کیا اللہ زائد از ضرورت چیزیں پیدا کرنے والا ہے۔لہٰذا زائد از ضرورت کا معنی غیر موزوں اور منشاء ربّانی کے خلاف ہونے کے ساتھ ساتھ ترقی کے عمل کو بھی متاثر کرتا ہے۔اور معاشرے میں ترقی کے لئے بچت کی سکیموں کی نفی ہو جاتی ہے۔اور ذاتی ملکیت کا تصور بطورِ امانت جو اللہ نے انسان کو تفویض کیا ہے۔اُسے بھی دھندلا کر دیتا ہے۔انسانوں کی عافیت صدقات کے ذریعے انفاق کا مقصد ہے ۔

اَنۡ لَّيۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى 53/29: انسان کے لئے صرف وہی ہے جس کی اُس نے کوشش کی۔ اِس آیت کو اپنے سیاق وسباق سے ہٹا کر الرِّبٰوا سے جوڑنا یحرفون الکلمۃ عن مواضعہٖ نہیں تو اور کیا ہے۔اس سے پہلے نمبر 28 میں ہے کہ یہ وہ وقت اور وہ جگہ ہے جہاں کوئی کسی کا بوجھ اُٹھانے والا نہیں ہے۔اس جہان میں تو ایک دوسرے کی غلطیوں کا ازالہ کرنے والے اور بوجھ اُٹھانے والے موجود ہیں۔یہ تو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہو کر اللہ کے سامنے پیش ہونے والے جہان کی بات ہے جہاں پھر موت بھی نہیں ہے۔جب وہاں کے قوانین کو اِس جہان میں لاگو کریں گے تو یہ ناممکنات کو ممکن بنانے کی لا حاصل کوشش ہو گی۔آیت مبارکہ میں لَّيۡسَ اور اِلَّا کا حصر کسی فرد کو بھی بغیر محنت کے کسی شے کا حق نہیں دیتا۔اس کلمہ حصر یہ میں کوئی استثناء نہیں ہے۔بچّے، بوڑھے، مریض اور عورت وغیرہ کا بغیر محنت کے کسی شے پر حق تسلیم کرنا اس آیت کی نفی ہو جاتی ہے۔یہ صورتحال اس دنیاوی معاشرے میں ناممکن ہے کہ سو فیصد محنت کر کے کھانے والے ہوں۔بچّے، بوڑھے، بیمار اور عورتیں وغیرہ تقریبًا پچاس فیصد سے زیادہ تعداد بغیر محنت کے ہے جن کے کھانے پینے کا انتظام محنت کرنے والے لوگوں کو کرنا پڑتا ہے۔اللہ نے باپ کو اپنی اولاد کا بالغ ہونے تک کفیل بنایا ہے اور مرد کو بیوی کی کفالت کا ذمہ دار بنایا ہے۔وراثت کے قانون میں بغیر محنت کے وُرثہ جائداد کے وارث بن جاتے ہیں۔کیا ایک ماں اپنے دودھ پیتے بچّے کی کفالت سے دستبردار ہو سکتی ہے؟ یہ اس دنیا میں ناممکن ہے۔لہٰذا مودبانہ گزارش ہے کہ اس آیت کو کسی بھی دنیاوی مسئلے کے لئے دلیل نہ بنایا جائے۔ الف لام معرفہ کی لغت کا جائز استعمال ضرور کرنا چاہئیے کیونکہ اس کے ایک سے زیادہ مفہوم ہیں۔من چاہی تاویل کا امکان ہے اس لئے قرآن کے باقی مقامات بھی

سامنے ہوں اور مشاہدات عالم کی روشنی سے بھی استفادہ ضروری ہے۔ مثلاً الخمر اور المیسر سے جب تک ہم خاص خمر اور خاص میسر مراد نہ لیں گے تو اس کا مفہوم واضح نہیں ہوگا اور عام مفہوم لینے سے ہر خمیری شے اور آسانی سے ملنے والی شے حرام ہو جائے گی تو خود اندازہ لگائیں کہ عمل کرنے میں کتنی مشکل پیش آئے گی۔ یہ اصطلاحِ قرآن ہیں۔ جب تک یہ کلمات خصوصیت کے حامل قرار نہ پائیں گے قرآن فہمی میں دشواری ہوگی۔ الخمر کی وجہ سے جس جس شے سے نشہ بنتا ہے وہ بھی حرام قرار دی جائے اس طریقے سے چیزوں کو حرام قرار دینا بھی قرآن کا طریقہ نہیں ہے۔ مثلاً انگور سے نشہ بنایا جاتا ہے تو انگور کو بھی حرام قرار دیا جائے یہ قرآنی فتوٰی نہیں ہے۔

اَلْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ 2/219 : یہ دونوں کلمات الف لام معرفہ سے شروع ہوتے ہیں۔ خمر خمیر شدہ شے کو کہتے ہیں اور میسر ہر شے جو آسانی سے مل جائے۔ ہمارا مشاہدہ ہے کہ نہ تو خمیر شدہ شے حرام ہے اور نہ ہی ہر آسانی سے ملنے والی شے حرام ہے۔ کیونکہ ہم خمیر شدہ اشیاء کھاتے ہیں اور والدین کی طرف سے بہت سی چیزیں ہمیں آسانی سے مل جاتی ہیں۔ اللہ کی طرف سے وراثت کا قانون بغیر محنت کے بڑی آسانی سے بہت سی چیزیں ہمارے نام منتقل کر دیتا ہے۔ لہذا مادے کے بنیادی معنی کی وجہ سے ہر شے کو حرمت میں شامل کرنا قرآنی تعلیم کے مطابق نہیں ہے۔ لہٰذا الف لام معرفہ کی خصوصیت الخمر کو صرف میڈیکل یعنی محکمہ صحت کی طرف سے جاری شدہ منشیات کی لسٹ تک محدود رکھتا ہے۔ نشہ آور اشیاء کے بارے حتمی فیصلہ صرف محکمہ صحت کے دائرہ اختیار میں ہے۔ جس شے کو وہ نشہ آور اشیاء کی فہرست میں درج کر دے وہ الخمر کہلائے گی۔ المیسر کو لامِ تعریف جوئے کی معروف شکلوں تک محدود رکھتا ہے۔ اللہ نے دونوں کو اثم'' کبیر فرمایا ہے۔ 7/33 میں اثم'' کو حرام قرار دیا ہے۔ 5/90 میں **الخمر اور المیسر کو رجس''** فرمایا ہے۔ حکمِ ربّانی ہے **فاجتنبوہ** پس اس رجس سے دور رہو۔ لہٰذا اللہ کی کتاب سے ان دونوں کی حرمت ثابت ہے۔ الرّبٰوا کے بارے بھی اتنی لمبی لسٹ بنانے میں یہی فلسفہ کارفرما ہے کہ ہر قسم کی بڑھوتری کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ ایسا ذہن رکھنے والوں کے نزدیک کوئی کاروبار بھی الرّبٰوا کی زد سے بچا ہوا نہ پاؤ گے۔ الرّبٰوا کا قرآنی مئوقف صدقات کے مستحق لوگوں کو اُن کی غیر پیداواری مد میں مدد کیلئے اُدھار دے کر زائد لینا الرّبٰوا کہلاتا ہے۔ لہٰذا کمرشل بینک، انشورنش کمپنیاں، کمرشل ادارے، کرایہ داری اور دوسری کاروباری شکلیں قرآنی نقطہ نظر سے الرّبٰوا کی زد میں نہیں۔ کیونکہ یہ تمام شکلیں استحصالی نہیں بلکہ باہمی مفادات کے تحت عوام کی سہولت کے لئے کاروباری ادارے ہیں جو الرّبٰوا کی حدود سے خارج ہیں۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے سرمایہ پر محنت مزدوری کر کے نفع لینا حلال ہے اور محنت کے بغیر سرمایہ کی بنیاد پر نفع لینا الرّبٰوا ہے۔ یہ سب محنت مزدوری اور تجارت کے فرق کو نہ سمجھنے کی وجہ سے ہوا ہے۔ تجارت میں نفع ہمیشہ سرمایہ پر ہوتا ہے مثلاً ایک سو بکری پر دس روپے نفع ملے گا۔ بغیر سرمایہ کے کوئی فرد ایک جگہ سارا دن بیٹھا رہے کچھ بھی نہیں ملے گا۔ سرمایہ کی وجہ سے جتنے سینکڑے آئیں گے اُتنی دہائیاں نفع کی ہوں گی۔ محنت اور مزدوری میں آٹھ گھنٹے کام کرنے کی مقرر شدہ اُجرت ملے گی۔ سرمایہ کاری کا تصور ایسی جائداد ہوتا ہے جو فاضل پیداوار دے۔ سرمایہ مادی ہو یا غیر مادی اس سے نفع حاصل کرنا اور ترقی کرنا ہر انسان کا بنیادی حق ہے۔ ظاہر ہے جس کے پاس زیادہ صلاحیت

ہو گی زیادہ کمائے گا وہی دوسروں پر زیادہ خرچ کرے گا اور ریاست کو صدقہ دے گا۔محنت ومزدوری میں اوقات کار کا معاوضہ ہے اور تجارت میں بکری (sale) پر بحساب فی صد نفع ہوتا ہے۔تجارت میں سرمایہ کے بغیر محنت نہیں ہوسکتی لہٰذا سرمایہ کاری بغیر محنت کے کاروبار میں شمولیت جائز ہے۔سرمایہ داری حرام ہے۔سرمایہ کاری البیع ہے۔کمرشل ادارے رقم جمع کر کے قومی ترقی میں سرمایہ کاری اور نفع بخش کاروبار کرتے ہیں۔ یہ خیراتی ادارے نہیں۔لہٰذا کمرشل اداروں میں سرمایہ کاری کرنا البیع ہے الرّبٰوا نہیں۔صدقات پر چلنے والے ادارے جہاں سرمایہ کاری نہیں ہوتی مثلاً تعلیمی ادارے، ویلفیر سنٹر اور اسپتال جو صدقات پر چلتے ہیں۔ایسے اداروں کو اُدھار دے کر زائد لینا الرّبٰوا کہلائے گا۔لہٰذا صدقات کے مستحق ضرورت مندوں کی ضرورت پوری کرنے کیلئے جو غیر پیداواری مد میں اُدھار دیا جائے اُس پر زائد لینا الرّبٰوا کہلائے گا۔اس کے علاوہ کمرشل بنیاد پر کسی کو اُدھار دے کر اُس کے کاروبار میں شریک ہو کر نفع میں شریک ہونا البیع کہلاتا ہے۔لہٰذا یہ حلال ہے۔الرّبٰوا معاشرے کیلئے تباہی اور مرکزِ رسالت سے جنگ ہے۔یہ بالکل جائز نہیں ہے۔

کرایہ داری سے الرّبٰوا کا کیا تعلق ہے: کرایہ داری لرّبٰوا نہیں۔کرایہ داری کی حرمت کیلئے کوئی نص نہیں ملی تو الرّبٰوا کا معنی کرایہ بھی کر دیا۔پھر کرایہ داری حرام ہے تو پھر جس شے پر بھی کرایہ ہو وہ حرام ہے۔مکان ودکان کا کرایہ حرام باقی کرایے حلال۔دو قسم کے کرایوں کا تصور کج فہمی اور تضاد کا نظریہ ہے۔کرایے کی ہر قسم الرّبٰوا ہے یا الرّبٰوا نہیں۔ کرایے کا دوہرا معیار ہی موقف کو غلط ثابت کرنے کیلئے کافی ہے۔کرایہ داری البیع کہلاتی ہے۔لوگوں کی سہولت کیلئے جیسے ٹرانسپورٹ ہوتی ہے۔اسی طرح لوگوں کی سہولت کیلئے رہائشی منصوبے بنائے جاتے ہیں جو کرایے پر دیئے جاتے ہیں۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ قف اے ایمان والو! تم آپس میں ایک دوسرے کا مال باطل طریقوں سے نہ کھاؤ مگر یہ کہ تمہاری باہمی رضامندی سے جو تجارت ہو (2/188)۔ البیع خود کرو یا کسی سے کراؤ اس میں اصل شے سرمایہ ہوتا ہے۔سرمایہ جتنی دفع نفع کمائے گا سرمایہ کار اُس نفع میں شامل ہو گا۔اگر حساب میں دشواری ہو تو فکسڈ بھی کیا جا سکتا ہے۔لیکن یہ باہمی رضامندی سے ہو گا۔البیع نفع کمانے کیلئے سرمایہ کو کاروبار میں لگایا جاتا ہے۔الرّبٰوا سرمایہ کو کاروبار میں لگائے بغیر نفع حاصل کرنے کا نام ہے۔ یہ ضرورت مند کی ضرورت پورا کرنے کیلئے دیا جاتا ہے جو وہ ضرورت پر خرچ کر لیتا ہے اور اُس سے کوئی نفع نہیں کماتا اور اُسے زائد دینا پڑتا ہے۔ اسے الرّبٰوا کہتے ہیں۔اب الرّبٰوا کے بارے معلوم ہوا کہ

☆ یہ ایک خاص بڑھوتری ہے جو کسی ضرورت مند کو اُدھار دے کر اصل زر سے زائد وصول کی جاتی ہے۔اُس ادھار سے وہ کوئی کاروبار نہیں کرتا اور نہ کوئی پیداوار لیتا ہے۔وہ ضرورت پر خرچ کر لیتا ہے۔ایسے اُدھار پر زائد لینا الرّبٰوا کہلاتا ہے۔☆

☆فَسُبْحٰنَ الَّذِیْ بِیَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَیْءٍ وَّ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ☆